ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.3 2024

عوامی تعلیم وتربیت میں خانقاہی نظام کا کردار

Role of monastic system in public education

Abdul Rehman
M.Phil, Al-Hamad Islamic University Islamabad
Dr. Yasir Hussain Satti Alkhari
member Roomi chair, Mohi-ud-Din Islamic University, Nerian sharif, Azad Kashmir

Abstract

The monastic system of education and training has left deep and indelible impressions in Islamic history because after the incident of Karbala, when the caliphate changed to monarchy, the successors of Imam Hussain (RA) understood that now the ummah needs to be purified for the second revival. We can achieve the prophetic mission only through the maturity of the inner and the mind. For this purpose, the first regular monastery in Islamic history was established by Imam Zain al-Abidin under the name of Griya Monastery, and then this process continued until Imam Jafar Sadiq established a regular monastery. This continuity was laid when the descendants of Imam Hasan (peace be upon him) were brought to the sub-continent and then Abdullah Shah Ghazi came to Sindh and the Sufis who were both Sadats and non-Sadats came to Sindh and left an indelible impression in this region. Left and gave a beautiful monastic system which played an important role in the education and training of the Muslim people in the subcontinent. In some way or another, they are working for the welfare of Muslims and for their spiritual and inner cultivation. Now, time is needed to reorganize these monasteries and then take up the task of reviving Islam. In this article we will try to talk about monastic system and education

Key Words*: monastic system, Sufsim, Spirtuality, inner education*

اسلام نے مذہب کے لیے دین کا لفظ استعمال کیا ہے قران مجید میں ان الدین عند اللہ الاسلام[1] کا لفظ آیا ہے دین کے تین بڑے حصے ہیں اس میں ایک حصہ عقائد کا ہے ایک علم الاخلاق کا ہے اور ایک فقہ کا ہے۔ صوفیاء کرام نے دین کے تینوں حصوں میں خدمات سرانجام دی ہیں لیکن انہوں نے سب سے زیادہ اخلاق پہ توجہ دی ہے اخلاق کے ذریعے دین کی دوسری جہتوں کو معاشرے میں غالب کیا ہے۔ صوفیا کرام نے اچھے اخلاق کے ذریعے ہی دین کو سفینوں سے نکال کر سینوں کے اندر منتقل کیا برصغیر میں مسلم بادشاہوں نے جہاں دین کو سفینوں کے اندر لا کے کھڑا کر دیا اور ریاست میں صوفیا کی آمد کے دروازے کھل گئے وہاں پر صوفیا نے اپنے اچھے اخلاق کے ذریعے دین اسلام کو اپنے عروج تک پہنچا دیا۔ جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے دعوتی مشن میں دو دور بڑی اہمیت کے حامل ہیں ایک مکی دور اور دوسرا مدنی دور اگر مدنی دور میں باقاعدہ اسلامی فلاحی ریاست کا قیام عمل میں آتا ہے تو وہاں پر مکی دور میں جگہ جگہ بیٹھکیں بنائی جاتی ہیں مراکز بنائے جاتے ہیں جہاں پر دین اسلام کی اشاعت وترویج کا کام کیا جاتا ہے ہمارے جتنے بھی صوفیاء کرام کفر کے دور میں یعنی جب کفار کی حکومتیں تھیں یا غیروں کی حکومتیں تھی اس وقت میں جن صوفیا نے کام کیا تو انہوں نے زیادہ تر مکی طرز پر کام کیا یعنی لوگوں کو توحید ورسالت اور اچھے اخلاق سے ہمکنار کروایا اور جگہ جگہ بیٹھکیں، ڈیرے اور مختلف قسم کی چلا گاہیں ایسے انداز کے ساتھ قائم کیں کہ لوگوں کو ان مراکز کے ساتھ ایک روحانی وابستگی ہو جائے تاکہ لوگ ان مقامات کی وجہ سے اسلام کے قریب آجائیں کیونکہ سیلیبریشن اور

[1] سورۃ ال عمران ایت نمبر 19

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.3 2024

تقریبات سے کوئی بھی چیز پھیلتی ہے اور تقریبات اس کی مرکزی حیثیت ہوتی ہیں لہذا عراس اور میلے منعقد کروا کر کے توحید و رسالت کے اس پیغام کو منظم تقریبات کی شکل میں لوگوں تک پہنچانے کی کوشش کی صوفیا کے اس مشن کو اب آقا علیہ الصلوۃ والسلام کے فیضان کے ساتھ جوڑتے ہوئے ہم آقا علیہ الصلوۃ والسلام کے مکی دور کی چند خانقاہوں یا بیٹھکوں کا تذکرہ خیر کر کے اس مقالے کو مزید روحانی چاشنی سے ہمکنار کرنا چاہا رہے ہیں

قبل از ہجرت، مکہ مکرمہ میں اسلام اور مسلمانوں کے لئے معروف معنوں میں کوئی متعین تبلیغی و دعوتی مرکز نہ تھا۔ جہاں رہ کر وہ اطمینان اور سکون کے ساتھ اپنی دعوتی سرگرمیوں کو جاری رکھتے۔ درحقیقت مکی دور میں خود رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ اقدس ہی متحرک درس گاہ تھی۔ سفر و حضر، دن اور رات ہر حال اور ہر مقام میں آپ ﷺ ہی کی ذات دعوت و تبلیغ کا منبع تھی۔ صحابہ کرامؓ عام طور پر چھپ کر ہی قرآنِ مجید کی تعلیم حاصل کرتے تھے۔ تاہم کفارِ مکہ کی ستم رانیوں کے باوجود رسول اللہ ﷺ کے علاوہ حضرت ابو بکرؓ، خبابؓ بن ارت، مصعبؓ بن عمیر اور دیگر صحابہ کرامؓ قرآنِ مجید کی تعلیم اور اشاعت میں مصروف رہے۔ مکی دور کے ایسے مقامات اور حلقہ جات کو دعوت و تبلیغ کے مراکز سے تعبیر کیا جاسکتا ہے جہاں حالات کی نزاکت اور ضرورت کے مطابق کسی نہ کسی انداز میں قرآنِ مجید کی تعلیم دی جاتی تھی یا قرآن کی تلاوت کی جاتی تھی۔ ذیل کی سطور میں مکی دور کے چند دعوتی و تبلیغی مراکز کا مختصر تعارف پیش کیا جاتا ہے، جہاں پر رسول اکرم اور صحابہ کرامؓ نے کسی نہ کسی حیثیت میں فریضہ دعوت انجام دیا۔

مسجد ابی بکرؓ

صحیح بخاری میں ہے" : پھر ابو بکرؓ نے اپنے مکان کے باہر صحن میں ایک مسجد بنائی، اور اس میں نماز اور قرآن پڑھتے تھے۔[2]"مسجدِ ابی بکرؓ میں نہ کوئی مستقل معلم مقرر تھا اور نہ کوئی باقاعدہ طالب علم تھا۔ البتہ یہ مسجد تلاوتِ قرآن اور اشاعتِ قرآن کیلئے مکی دور کی اوّلین درس گاہ اور تبلیغی مرکز قرار دی جاسکتی ہے جہاں پر کفارِ مکہ کے بچے بچیاں اور عورتیں قرآن کے آفاقی پیغام کو لحن صدیقیؓ میں سنتے تھے اور مائل بہ اسلام ہوتے تھے۔ چنانچہ ابن اسحٰق حضرت عائشہؓ کی سند سے روایت کرتے ہیں:

> "حضرت ابو بکرؓ رقیق القلب انسان تھے، جب قرآن پڑھتے تو روتے، اس وجہ سے آپؓ کے پاس لڑکے، غلام اور عورتیں کھڑی ہو جاتیں، اور وہ آپؓ کی اس کیفیت کو پسند کرتے۔ قریش کے چند لوگ ابن الدغنہ کے پاس گئے اور اس سے کہا: اے ابن الدغنہ! تو نے اس شخص کو اس لئے تو پناہ نہیں دی تھی کہ وہ ہمیں تکلیف پہنچائے۔ وہ ایسا شخص ہے کہ جب نماز میں وہ کلام پڑھتا ہے جو محمد ﷺ لایا ہے تو اس کا دل بھر آتا ہے اور وہ روتا ہے۔ اس کی ایک خاص ہیئت اور طریقہ ہے جس کی وجہ سے ہمیں بچوں، عورتوں اور دیگر لوگوں کے متعلق خوف ہے کہ کہیں یہ انہیں فتنے میں نہ ڈال دے۔ اس لئے تو اس کے پاس جا اور کہہ کہ وہ اپنے گھر کے اندر رہے اور اس میں جو چاہے کرے"۔ چنانچہ ابن الدغنہ حضرت ابو بکرؓ کے پاس آیا اور کہنے لگا: یا تو آپؓ اس طریقے سے باز آجائیں یا پھر میری پناہ مجھے واپس لوٹا دیں۔ حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا": میں نے تیری پناہ تجھے واپس کر دی، میرے لئے اللہ کی پناہ کافی ہے۔[3]"

---

[2] صحیح البخاری،کتاب الکفالۃ،باب جوار ابی بکر الصدیقؓ فی عہد النبیﷺ وعقدہ ،ح:۲۲۹۷،ص:۳۶۷۔ ایضاً،کتاب الصلوٰۃ،باب المسجد فی الطریق.ح:۴۷۶، ایضاً، کتاب مناقب الانصار،باب ہجرۃ النبی واصحابہ الی المدینۃ، ح:۳۹۰۵،

[3] ابنِ ہشام،دخول ابی بکرؓ فی جوار ابن الدغنہ ورد جوارہ علیہ،۴۱۱/۱

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.3 2024

صوفیاء کرام نے جو بلند آواز کے ساتھ ذکر اور عوامی انداز کے ساتھ جلسے جلوسوں میں قران مجید کی تلاوت عوامی اجتماعات کے اندر یہ درحقیقت مکی دور سے ثبوت ملتا ہے کہ جس طرح حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ کی تلاوت اور گریہ وزارت سے وہاں کی عوام متاثر ہوتی تھی اسی طرح صوفیاء بھی جگہ جگہ بیٹھ گئے ہیں اور خانقاہیں بنا کر اس طرح کے عمل کرتے ہیں تا کہ مخلوق خدا دیکھ کر متاثر ہو اور جدید سائنس بھی اس بات پہ پہنچ چکی ہے کہ انسان کو صرف دیکھنے کے ساتھ ہی اس کی وائبریشن جو ہوتی ہیں وہ دوسرے انسان تک پہنچ جاتی ہے یعنی جو انسان روحانی طور پہ جتنا زیادہ مضبوط ہوتا ہے اگر دوسرا آدمی صرف اس کو دیکھتا بھی ہے تو دیکھنے سے بھی روحانی آدمی دوسرے دمی کو مسخر کر لیتا ہے یعنی بات نہ بھی کرے صرف دیکھتا ہی رہے تو وہ اس کا اثر قبول کر لیتا ہے صوفیاء نے اسی طرز پہ خانقاہی نظام میں یہ کام کیا

دارِارقمؓ

حضرت ارقم بن ابی الارقمؓ سابقون اوّلون اسلام لانے والوں میں سے ہیں۔ مکہ میں ان کا مکان کوہِ صفا کے اوپر تھا۔[4]

اسلامی تاریخ میں دار ارقم کو بڑی اہمیت حاصل ہے اور دار ارقم درحقیقت مسلمانوں کی پہلی خانقاہ تھی جہاں پہ مسلمانوں کی بنیاد مضبوط کرنے کے لیے بڑے بڑے کام کیے گئے یہ مکان 'دارالاسلام' کے متبرک لقب سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ مشرکین مکہ جب اسلام کے پھیلاو کو کسی طرح بھی نہ روک سکے تو انہوں نے کمزور وضعیف مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کو بیت اللہ میں آزادانہ نماز ادا کرنے سے روکتے، ذکر الٰہی اور تلاوتِ قرآن میں خلل انداز ہوتے، دست درازی کرتے اور اکثر ان کا رویہ انتہائی گستاخانہ ہوتا یہ وہ سنگین حالات تھے جن میں رسول اللہ ﷺ مسلمانوں کو لے کر دارِارقم میں پناہ گزین ہوگئے تا کہ مسلمان پورے انہماک سے اپنے ربّ کے حضور اپنی جبین نیاز کو جھکا سکیں، چنانچہ جلد ہی دارِارقم اسلام اور دعوتی سرگرمیوں کا مرکز بن گیا، جہاں پر نہ صرف لوگوں کو دائرۂ اسلام میں داخل کیا جاتا تھا بلکہ ان کی مناسب تعلیم وتربیت اور تزکیۂ نفس بھی کیا جاتا تھا، ابنِ سعد کی روایت ہے:

رسول اللہ ﷺ ابتدائے اسلام میں ہی اس مکان (دارِارقمؓ) میں رہتے تھے، لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے تھے اور بہت سے لوگوں نے یہاں اسلام قبول کیا۔[5]

ابن جریر طبری بھی مکی عہدِ نبوت میں 'دارِارقم' کو دعوتی سرگرمیوں کا مرکز قرار دیتے ہیں جہاں پر کثیر لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ چنانچہ حضرت ارقمؓ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

حضرت ارقمؓ کا گھر کوہِ صفا پر واقع تھا اور یہی وہ گھر ہے جہاں آغازِ اسلام میں رسول اللہ ﷺ رہا کرتے تھے۔ یہیں پر آپ ﷺ لوگوں کو دعوتِ اسلام دیا کرتے تھے اور یہاں پر بہت سے لوگ حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے۔[6]

ابن عبد البر اپنی شہرہ آفاق کتاب 'الاستیعاب' میں حضرت ارقمؓ کے تذکرہ میں لکھتے ہیں:

---

4 المستدرک ،تذکرہ ارقمؓ بن ابی الارقم ،۵۰۲/۳

5 ابن سعد ،تذکرہ ارقمؓ بن ابی الارقم،۲۴۳/۳

6 الطبری،محمد بن جریر،''تاریخ الامم و الملوک'' ،۲۳۰/۳،المطبعۃ الحسینیۃ

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.3 2024

یہ ارقم بن ابی ارقمؓ وہی ہیں جن کے گھر میں رسول اللہ ﷺ مکہ مکرمہ میں قریش سے پوشیدہ مقیم رہتے تھے۔ کھل کر سامنے آنے سے قبل اسلام میں آپ ﷺ یہاں پر لوگوں کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتے تھے۔ حضرت ارقمؓ کا یہ مکان مکہ میں کوہِ صفا پر واقع تھا، چنانچہ یہاں پر بہت بڑی جماعت نے اسلام قبول کیا۔[7]

دارِ ارقم کے مرکزِ اسلام بننے کے بعد دعوت و تبلیغ کا کام اب قدرے اطمینان کے ساتھ مشرکین کی نظروں سے اوجھل انجام پانے لگا۔ دعوتِ اسلام کا یہ مرحلہ وہ ہے جس میں مکہ مکرمہ کے بے کس، زیر دست اور غلام اس نئی تحریک میں اپنی دنیا و آخرت کی نجات تصور کرتے ہوئے داخل ہوتے ہیں۔ ابن الاثیر نے حضرت عمار بن یاسرؓ اور صہیب رومیؓ کے قبولِ اسلام کے متعلق ایک بڑا دلچسپ واقعہ تحریر کیا ہے:

ایک دن یہ دونوں حضرات چھپتے چھپاتے اور دبے پاؤں دارِ ارقم کے دروازہ پر اکٹھے ہو جاتے ہیں، حیرت و استعجاب سے ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں پھر گفتگو کا رازدارانہ انداز شروع ہو جاتا ہے۔ عمار بن یاسرؓ خود بیان کرتے ہیں:

"میں نے صہیبؓ رومی سے پوچھا: تم یہاں کیوں کھڑے ہو؟... صہیبؓ نے کہا: تم کیوں کھڑے ہو؟ میں نے کہا: میں چاہتا ہوں کہ محمد ﷺ کے پاس جاؤں اور ان کی باتیں سنوں۔ صہیبؓ نے کہا: میں بھی تو یہی چاہتا ہوں۔" چنانچہ یہ دونوں حضرات اکٹھے ہی بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کر لیا۔ ان بزرگوں کا اسلام تیس سے کچھ زائد آدمیوں کے بعد ہوا۔[8]

دارِ ارقم نہ صرف ضعفائے اسلام کی جائے پناہ تھی بلکہ یہاں صحابہ کرامؓ کی تعلیم و تربیت کے ساتھ اجتماعی طور پر عبادات، ذکر اللہ اور دعاؤں کا سلسلہ ہمہ وقت جاری رہتا تھا۔ اس میں وہ دعا خصوصیت سے قابل ذکر ہے جو رسول اللہ ﷺ نے عمر بن خطابؓ اور (ابو جہل) عمرو بن ہشام میں سے کسی ایک کے قبولِ اسلام کے لئے مانگی تھی۔ ابن اسحٰق کی روایت ہے کہ ایک دن حضرت عمرؓ رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنے کے ارادے سے (معاذ اللہ) روانہ ہوئے، راستہ میں اپنی بہن فاطمہ بنتِ خطابؓ کے گھر سورہ طٰہٰ کی تلاوت سنی تو کایا ہی پلٹ گئی۔ ان کو مائل بہ اسلام دیکھ کر حضرت خبابؓ بن ارت نے انہیں خوشخبری کے انداز میں بتایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دارِ ارقم میں یہ دعا کرتے سنا ہے. اے اللہ! ابوالحکم بن ہشام یا عمر بن خطابؓ سے اسلام کی تائید فرما. چنانچہ حضرت عمرؓ یہاں سے سیدھے دارِ ارقم پہنچے اور اسلام قبول کر لیا۔[9]

دارِ ارقم 'دارالاسلام' ہونے کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے لئے 'دارالشوریٰ' بھی تھا۔ پہلی اور دوسری ہجرت حبشہ جیسے اہم معاملات بھی اسی جگہ باہمی مشاورت ہی سے انجام پائے۔ ابن ہشام کے الفاظ اس مجلس مشاورت کی صاف غمازی کر رہے ہیں :

رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا: اگر تم سرزمین حبشہ کی طرف نکل جاؤ تو وہاں ایک بادشاہ ہے جس کے ہاں کسی پر ظلم نہیں کیا جاتا۔ وہ سچائی کی سرزمین ہے، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اس مشکل سے نجات دلا دے جس میں تم گرفتار ہو[10]

---

7 ابن عبدالبر، ''الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب''، تذکرہ ارقمؓ بن ابی الارقم ، ۱۳۱/۱، دارالجلیل، بیروت، ۱۹۹۲ء
8 اسد الغابہ ، تذکرہ عمار بن یاسرؓ ، ۴/ ۴۴
9 ابن ہشام ، اسلام عمر بن الخطابؓ ، ۳۸۳/۱۔ الکامل فی التاریخ ، ۲/ ۵۸
10 ابن ہشام ،ذکر الحجرۃالاولی الی ارض الحبشہ ، ۳۵۸/۱

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.3 2024

ان الفاظ سے صاف پتہ چلتا ہے کہ یہ خطاب صحابہ کرامؓ کے کسی اجتماع سے ہی ہو گا جو دارِ ارقم میں انعقاد پذیر ہو گا۔ اسی طرح ایک روز رسول اللہ ﷺ کے صحابہؓ جمع ہوئے اور باہمی مشاورت سے طے کیا کہ قریش نے قرآن کو اپنے سامنے بلند آواز سے پڑھتے ہوئے کبھی نہیں سنا، لہٰذا کوئی ایسا شخص ہو جو یہ فریضہ انجام دے۔ چنانچہ حضرت عبداللہؓ بن مسعود نے یہ ذمہ داری قبول کی اور قریش کو ان کی مجلس میں جا کر قرآن کی طرف دعوت دی۔[11]

قران و سنت کے ان مزین دلائل سے یہ بات روز روشن کی طرح ایاں ہو جاتی ہے کہ دار ارقم میں اسلام کی بنیادیں مضبوط ہو رہی تھی بالکل اسی طرح صوفیا نے جہاں جہاں بھی مسلمان محکوم تھے وہاں پیر خانے قائم کر کے تزکیہ نفس تعلیم و تربیت اور ریاستی نظام کے وسیع تر مفاد اور مستقبل میں اسلامی فلاحی ریاست کے قیام کے لیے مختلف کاوشاں کی۔

شعبِ ابی طالب

اسلامی تاریخ کے روحانی مراکز پہ اگر نظر دوڑائی جائے تو شب ابھی طالب اسلام کی بنیادوں میں مضبوطی فراہم کرتی نظر اتی ہے اور شب ابی طالب کا تذکرہ ہماری حدیثوں میں واضح انداز کے ساتھ نظر اتا ہے

کفارِ مکہ کو یہ خوش فہمی تھی کہ وہ اپنے وحشیانہ جبر و تشدد سے اسلام کی اس تحریک کو موت کی نیند سلا دیں گے، لیکن جب ان کی تمام مساعی اور تدبیروں کے باوجود اسلام کا دائرہ پھیلتا ہی چلا گیا اور انہوں نے دیکھا کہ حضرت حمزہؓ اور عمرؓ جیسے لوگوں نے بھی اسلام قبول کر لیا اور نجاشی کے دربار میں بھی ان کے سفیروں کو ذلت آمیز ناکامی کا سامنا کرنا پڑا ہے تو اس چوٹ نے کفارِ مکہ کو مزید حواس باختہ کر دیا۔ چنانچہ ان لوگوں نے طویل غور و خوض کے بعد متفقہ طور پر یہ فیصلہ کیا کہ رسول اللہ ﷺ اور ان کے خاندان کو محصور کر کے تباہ کر دیا جائے، چنانچہ تمام قبائل نے ایک معاہدہ کیا کہ کوئی شخص خاندانِ بنی ہاشم سے قربت کرے گا، نہ ان کے ہاتھ خرید و فروخت کرے گا اور نہ ہی ان کے پاس کھانے پینے کا سامان جانے دے گا۔ یہ معاہدہ لکھ کر کعبۃ اللہ کے دروازے پر آویزاں کر دیا گیا۔[12]

جناب ابو طالب مجبور ہو کر رسول اللہ ﷺ اور تمام خاندانِ بنی ہاشم سمیت شعبِ ابی طالب میں محرم سن ۷ نبویؐ میں محصور ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے خاندان سمیت اس حصار میں تین سال بسر کئے۔ ایامِ حج میں چونکہ تمام لوگوں کو امن تھا، اس لئے حج کے موسم میں رسول اللہ ﷺ شعبِ ابی طالب سے باہر نکل کر مختلف قبائل عرب کو دعوت دیتے، جبکہ باقی اوقات میں آپ ﷺ اسی گھاٹی میں مسلمانوں کی تربیت فرماتے۔ شعبِ ابی طالب میں خاندانِ بنی ہاشم کے علاوہ صحابہ کرامؓ کی موجودگی کے اشارات بھی ملتے ہیں۔ امام سُہَیلی نے سعد بن ابی وقاصؓ کا بیان نقل کیا ہے... سعد بن ابی وقاصؓ خود بھی محصورین میں شامل تھے... وہ فرماتے ہیں:

میں ایک دن از حد بھوکا تھا، رات کو اندھیرے میں میرا پائوں کسی گیلی چیز پر آ گیا۔ میں نے اسے اُٹھا کر منہ میں ڈالا اور نگل لیا۔ مجھے اتنی ہوش بھی نہ تھی کہ میں پتہ کرتا کہ وہ کیا چیز ہے اور اب تک مجھے اس کے بارے میں کوئی علم نہیں۔[13]

اسی طرح حضرت عتبہ بن غزوانؓ نے ایک دفعہ خطبہ جمعہ میں ارشاد فرمایا:

---

11 ابن ہشام ،اول من جہر بالقرآن ، ۳۵۱/۱
12 ابن ہشام ، خبر الصحیفۃ ، ۳۸۸/۱
13 الروض الانف ، حدیث نقض الصحیفۃ ، ۲۳۲/۱ ۔ حلیۃ الاولیاء،تذکرہ سعدؓ بن ابی وقاص ، ۱۳۶/۱-۱۳۵

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.3 2024

"میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ساتواں مسلمان تھا اور ہمارے پاس کھانے کے لئے درختوں کے پتوں کے سوا کچھ نہ تھا، حتیٰ کہ ہمارے جبڑے زخمی ہو گئے۔[14]"

یہ اور اسی نوعیت کی وہ تمام حدیثیں جن میں صحابہؓ کی زبان سے مذکور ہے کہ ہم گھاس اور پتے کھا کر گزر بسر کرتے تھے، یہ اسی زمانہ کا واقعہ ہے۔ اس نوع کی احادیث سے جہاں محصوری کے اس دور میں صحابہ کرامؓ کی مشکلات کا پتہ چلتا ہے وہاں شعبِ ابی طالب میں صحابہ کرامؓ کی موجودگی کا بھی واضح طور پر اشارہ ملتا ہے۔ محصوری کے اس دور میں جس قدر وحی نازل ہوئی، یقیناً شعبِ ابی طالب میں رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو اس کی تعلیم دی ہو گی اور یہاں صحابہ کرامؓ بھی دینی اُمور پر تبادلہ خیال کرتے ہوں گے۔ اس لحاظ سے شعبِ ابی طالب کو بھی مکی عہدِ نبوت کا ایک دعوتی مرکز قرار دیا جاسکتا ہے۔ جہاں رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ عرصہ تین سال تک تعلیم و تعلّم اور دعوت و تبلیغ میں مشغول رہے۔

اکثر صوفیاء کرام نے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے عشق میں خود کو کندن بنانے کے لیے اپنے آپ کو مختلف قسم کی گھاٹیون اور غاروں میں کئی کئی سال تک بند رکھا تا کہ وہاں بیٹھ کر کتاب نفس کو تطہیر کی بلندیوں سے مزین کیا جائے اور دوسری طرف وہاں تنہائی میں بیٹھ کر ان علوم کو مسخر کیا جائے جن علوم کی وجہ سے دوسرے مذاہب کے لوگ مخیر العقول چیزیں کر کے لوگوں کو متاثر کرتے ہیں چنانچہ صوفیا نے اس طرح گھاٹیوں میں بیٹھ کر وہ علم کی شمع روشن کی اور یہ بھی ایک خانقاہی نظام ہی کی بنیاد ہے

سید مزمل شاہ کی تحقیق کے مطابق جو انہوں نے روزنامہ ایکسپریس میں ایک کالم کے ذریعے شیئر کی اسلامی روایت میں مدرسہ اور خانقاہ کو ہمیشہ اہمیت حاصل رہی ہے۔ مدرسہ کا تعلق لوگوں کی تعلیم و تربیت سے جبکہ خانقاہ کا تعلق لوگوں کے تزکیہ نفس سے رہا ہے۔ مدرسہ نے آگے بڑھ کر پہلے کلیہ کی اور پھر جامعہ کی شکل اختیار کر لی جس آج کل یونیورسٹی کا نام دیا جاتا ہے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ خانقاہی نظام بھی بتدریج آگے بڑھتا لیکن ایسا نہ ہوا اور خانقاہی نظام پر مسلسل جمود آ گیا۔ تاہم یہ ایک حقیقت ہے کہ خانقاہی نظام نے ہمیشہ لوگوں کی زندگیوں میں پاکیزگی لانے میں اہم کردار ادا کیا۔ خانقاہی نظام میں ہمیشہ لوگوں کے لیے ایک کشش رہی ہے اس لیے کہ لوگوں کو خانقاہ میں جا کر ایک طرح کی اپنائیت محسوس ہوتی رہی ہے۔ اب مدرسہ، کلیہ اور جامعہ کی موجودہ شکل نے خانقاہ کے مقابلے میں ایک مستقل حیثیت اختیار کر لی ہے۔ ماضی میں ایسا نہ تھا۔ پہلے مدرسہ بھی خانقاہ میں ہی ہوتا تھا کلیہ بھی خانقاہ ہی تھی اور جامعہ بھی خانقاہ ہی تھی۔ دو روئی کا کوئی تصور نہ تھا۔ یہ جدائی تو انگریزوں کی پیدا کردہ ہے۔ حضرت شاہ ہمدانؒ، شاہ ولی اللہؒ اور برصغیر کی بڑی بڑی شخصیات کا تعلق خانقاہ سے رہا ہے 1857 میں مسلمانوں کو زوال آیا جس کی زد میں مدارس اور خانقاہیں بھی تباہ و برباد ہو گئیں۔ پورا اجتماعی نظام تلپٹ ہو کر رہ گیا۔ اس ماحول میں سر سید احمد خان کا کردار نمایاں ہو کر سامنے آیا جب انہوں نے مسلمانوں کی بقاو سلامتی کے لیے جدید تعلیم کی وکالت کرتے ہوئے علی گڑھ مسلم کالج کی تحریک شروع کی جو بعد میں مسلم یونیورسٹی پر منتج ہوئی اور جس کی کوکھ سے تحریک پاکستان ابھری۔ سر سید احمد خان کی تحریک کے ساتھ ساتھ دیوبند کی تحریک نے بھی جنم لیا۔ اسی اثناء میں مولانا محمد علی مونگیری نے ندوہ العلماء کا قیام عمل میں لایا۔ اس کے پیچھے تحریک دیوبند کے بانیان کے مدارس و خانقاہوں کے تحفظ کے جذبات تھے۔ قدیم اور جدید علوم کی آویزش کا یہیں سے آغاز ہوا۔ تاہم مولانا محمد علی جوہر اور حکیم اجمل خان نے جامعہ ملیہ کی بنیاد رکھ کر قدیم اور جدید آویزش کو کم کرنے کی کوشش کی۔ علامہ اقبالؒ کا تعلق اگرچہ سر سید احمد

[14] المسند، حدیث عتبۃؓ بن غزوان ، ح:۲۰۰۸۶، ۵۲/۶۔ الاستیعاب ، تذکرہ عتبۃؓ بن غزوان ، ۱۰۲۶/۳۔ حلیۃ الاولیاء،تذکرہ سعدؓ بن ابی وقاص،۱۳۶/۱

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.3 2024

خانؒ کی تحریک سے تھا اور وہ جدید تعلیم کے زبردست حامی تھے لیکن وہ خانقاہ اور تصوف سے بھی منسلک تھے۔ شاہ ہمدانؒ کو انہوں نے معمار تقدیر امم قرار دیا، خانقاہ نظام الدین اولیاء کے وہ معتقد تھے۔ ساتھ ہی سر سید احمد خانؒ کے معترف و مداح بھی تھے۔ وہ خانقاہی نظام کی خوبیوں کو تسلیم کرتے تھے لیکن اپنے عہد کی خانقاہوں سے مایوس ہو کر انہیں نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسم شبیریؓ کا نعرہ مستانہ لگانا پڑا۔ وہ خانقاہی نظام کو سراسر ڈھانے کے حامی نہیں تھے بلکہ اس میں معاصر تقاضوں کے مطابق تدریجی تبدیلی لانا چاہتے تھے۔

ڈاکٹر محمد شمیم اختر قاسمی کی مرتب کردہ کتاب "ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم "مسلم سلاطین اور نو آبادیاتی دور میں تعلیم کے فروغ میں مسلمانوں کے کردار پر روشنی ڈالتی ہے۔ گرچہ کچھ لوگوں کی طرف سے یہ دعویٰ بھی کیا جاتا ہے کہ پانچویں صدی عیسوی میں صوبہ بہار میں واقع نالندہ کے "وکرم شیلا" میں قائم دنیا کی پہلی یونیورسٹی اور اس کی لائبریری مسلم حکمراں سلطان خلجی کے ذریعے تباہ و برباد کر دی گئی تھی، جس کی تاریخی صداقت و حقائق پر گفتگو کی کافی گنجائش ہے۔ خلجی کی آمد اور اس یونیورسٹی کی تباہی و بربادی کے افسانے کے ماہ و سال میں بھی زمین و آسمان کا فرق ہے؛ تاہم نالندہ یونیورسٹی (وکرم شیلا خانقاہ) کی تباہی و بربادی کے واقعے کا حوالہ دے کر مسلمانوں کی سات سو سالہ حکومت کو تعلیم دشمن کے طور پیش کیا جاتا ہے؛ جب کہ مسلم دور حکومت سے قبل یہاں کے رائج نظام تعلیم کا جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت بھی خود بخود آشکارا ہو جاتی ہے کہ یہ ملک راجاور جواڑوں میں تقسیم تھا۔ ذات پات، طبقاتی تفریق اور چھوت چھات جیسی گھناؤنی سماجی لعنت سے یہاں کا معاشرہ متعفن ہو چکا تھا۔ تعلیم کے حصول پر چند افراد اور خان دان کی ہی اجارہ داری تھی۔ ملک کی بڑی آبادی کو تعلیم حاصل کرنے کا حق تک نہیں تھا۔ ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت قائم ہونے کے ساتھ ہی مسلم حکمرانوں نے مکاتب و مدارس، خانقاہوں، کتب خانوں اور ادبی سوسائٹیوں کے قیام کے ذریعے دینی اور عمومی تعلیم کے فروغ میں کلیدی کردار ادا کیا اور تعلیم کے دروازے ہر خاص و عام کے لیے کھول دیے، جس سے ہندوستان کی بڑی نیک نامی ہوئی۔[15]

خورشید احمد ندیم کے مطابق خانقاہ لوگوں کے اخلاقی اور نفسیاتی تزکیے کا ادارہ تھا۔ لوگ اپنے اپنے نفسیاتی عوارض کے ساتھ اس طرف کا رخ کرتے، جن کو وہ روحانی خیال کرتے۔ یہاں بیٹھا شخص دراصل ماہر نفسیات ہوتا اور ان کی تسکین قلب کا اہتمام کرتا۔ یہ بلاشبہ ایک بڑی سماجی خدمت تھی۔ یہ ماہرِ نفسیات کچھ وظائف و اوراد کی تلقین کرتا۔ یوں مذہب سے ایک تعلق قائم ہو جاتا۔ مریض اسے روحانی علاج سمجھ کر قبول کر لیتا اور بعض اچھی عادات وعبادات اس کے معمولات کا حصہ بن جاتیں۔ ڈاکٹر سیف رائے کے بقول برصغیر ایک ایسا خطہ ہے جس میں مختلف اقوام اپنا اپنا ثقافتی و مذہبی نظام لے کر آتی رہی ہیں۔ آنے والے فاتحین اپنے اپنے کلچر کو یہاں مسلط کرنے میں کوشاں رہے ان کی اس کوشش کے مثبت و منفی دونوں طرح کے اثرات مرتب ہوئے۔ اس خطے میں سب سے بڑی قوم جو آباد تھی وہ ہندو تھے۔ ہندوازم بنیادی طور پر سوچوں کا مجموعہ ہے اور سوچوں کا مجموعہ ہمیشہ اختراعی خیالات کے زیر ہوتا ہے۔ ہندو پنڈتوں نے لفظی شعبدہ گری سے اپنے پیروکاروں کو مذہبی معاملات کہانیوں کی صورت میں سنائے۔ اس طرح خطے میں مذہبی رجحانات میں اضافہ ڈرامائی صورت میں ہوا۔ یہاں بسنے والے لوگ توہمات میں زیادہ مبتلا ہوئے، ایسا ہونا ایک فطری عمل تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کو توہمات و تعصبات سے نجات ہمیشہ مذہبی فکر سے ملتی ہے مگر جب مذہب ہی صرف ذہنی ذائقے کے لیے ہو اور اس پر سوالات اٹھانے پر بھی قدغن ہو تو ایسے عالم میں سوچوں کو مستقل گرفت میں رکھنا ممکن نہیں رہتا۔ اگرچہ ہندومت قدیم مذاہب میں سے ہے مگر اس کے ماخذات (وید،

---

15 ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم، ڈاکٹر محمد شمیم اخترقاسمی، براون بک پبلیکشنز ، نیو دہلی، ۲۰۲۲ ص ۱۳

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.3 2024

مہابھارت اور رمائن) ایسے ہیں جن کا تعلق الہام سے کم ہے بلکہ ان میں فکر و فلسفہ، تعریفات، رسومات، منظومات کے علاوہ کہانیاں اور اسی طرح کی دیگر اصناف زیادہ پائی جاتی ہیں۔ شاعری یا کہانی انسانی مزاج کو ہمیشہ جکڑ کر نہیں رکھ سکتیں۔ اسی لیے یہاں کے لوگ بالخصوص ہندوازم کے پیروکار قلبی سکون سے عاری تھے۔ ان کا شعور انہیں اکساتا تھا کہ حقائق کی تلاش میں زندگی صرف کریں مگر مذہبی ٹھیکیداروں کی ملامت و ممانعت انہیں ایسا کرنے سے روکتی رہی۔

طلوع آفتاب رسالت ﷺ نے مذاہب عالم کو ایک نئی روشنی اور سوچ مہیا کی۔ اگرچہ ایک لاکھ کئی ہزار پیغمبران عظام آپ ﷺ کے ظہور اقدس سے پہلے بھی تشریف لا چکے تھے مگر آپ ﷺ کی آمد نے بت پرستوں کی متعصب سوچ پر توحید کا وار کاری ضرب کے ساتھ کیا۔ مکہ کی سنگلاخ زمین پر محسن انسانیتؐ کی تبلیغ ن ے پسی ہوئی انسانیت کو جینے کے اصول سمجھائے۔ اسلام کے یہ اصول قوانین بن کر معاشرے کے نظام میں شامل ہوئے۔ مکہ سے یہ روشنی نکل کر ہر خطے تک یوں پھیلی کہ جہالت کی ظلمتوں میں چراغ روشن ہونے لگے۔ برصغیر تک یہ روشنی بزرگان دین کے ذریعے پہنچی۔ برصغیر میں تہذیبی مذہبی رجحان بہت کم تھا بلکہ تشبیہی عبادات کے رجحانات زیادہ تھے۔ ایسے عالم میں جب توحید کا پیغام یہاں عام ہوا تو وہ بے چین قلوب و اذہان جو متعصبانہ مذہبی تہذیب، روایات اور افکار سے اکتائے ہوئے تھے ان کی سوچ کو ایک نیا راستہ مل گیا۔ صوفیا کی متصوفانہ تبلیغ نے ہندوازم اور دیگر مذاہب کے جال کو کاٹنا شروع کیا۔ ان کی دھیمی گفتگو اور نرم لہجے نے لوگوں کو ان کی طرف مائل کیا تو ان کے سامنے ایک نئی روشنی ظاہر ہوئی جو ان کی بینائی سے ہوتی ہوئی باطنی فکر کو روشن کرنے لگی۔ ایک ایسے مذہب کی تصویر کشی ہونے لگی جس میں سوالات کرنے پر قدغن نہ تھی، جس میں رہبانیت کی مخالفت تھی، جس میں سادھو کی زندگی کو معاشرے سے جوڑنے کے ذرائع موجود تھے، جس میں محبت ایک نئے مزاج میں ظاہر ہوئی تھی، جس میں برداشت کو محبت کی بنیاد بنایا گیا تھا، محبت کا یہ سلجھا ہوا رویہ انسانیت کی عظمت و اہمیت کا سبب تھا۔ بقول شاعر

اک شجر ایسا محبت کا لگایا جائے　　جس کا ہمسائے کے آنگن میں بھی سایا جائے

مندروں کی گھنٹیوں کی آوازوں کو خانقاہوں کے سکون نے اپنے زیر اثر اس انداز میں کیا تھا کہ تیر و تلوار و نیزہ بھی نہ چلا تھا مگر اعلان فتح صوفیا کی درگاہوں سے ان کی متصوفانہ شاعری کے ذریعے ہونے لگا۔ بلند و بالا بتوں کے سامنے پیشانیاں رگڑنے والے، سجدوں کی نرمی میں اپنی پیشانیوں کو رکھنے پر آمادہ ہونے لگے۔

پر سکون اور بے خوف انداز عبادت نے ان کے رویوں کو نامحسوس طور پر یہ سمجھایا تھا کہ خالق کل کے بعد وصف خالقیت صرف اور صرف انسان کی سوچ میں ہے پھر خالق اپنی ہی تخلیق کے سامنے کیوں پیشانیاں رگڑ کر اپنی عظمت کی تضحیک کرے۔ اس خالق کل کی طرف دل مائل ہونے لگا جو دکھائی نہ دینے کے باوجود بھی ہر طرف، ہر لمحہ موجود تھا۔ اس کے ہونے کا احساس صوفیا کی تعلیمات نے اور نمایاں کر دیا کہ ہر کوئی اس رب کو اپنے دل میں محسوس کرنے لگا اس کے شواہد کو تخلیق کائنات میں ڈھونڈنے لگا اور یہ خواہش پختہ کرنے لگا۔ بقول شاعر

تجھ کو دیکھا نہیں محسوس کیا ہے میں نے　　آ کسی دن مرے احساس کو پیکر کر دے

بزرگان دین کی تعلیمی کاوشوں اور تبلیغی کوششوں کا محور کتاب ہدایت اور اسوۂ حسنہ ﷺ تھا۔ دراصل وہ لوگ جو کہانیوں کے کرداروں کی خود ساختہ پرستش پر مجبور تھے یا محدود تھے ان کے سامنے پہلے بار حقیقی کردار کی صورت نمایاں ہوئی۔ ان کے سامنے اصل پیشوا اپنے عظیم کردار کے ساتھ

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.3 2024

سامنے آئے تھے۔ان کے لیے یہ کیفیت حیرت انگیز اور خوشگوار تھی،اس لیے کہ انہوں نے پہلی بار باطنی سکون کو عالم یقین میں محسوس کیا تھا۔کچھ نہ دیکھ کر بھی خانقاہی نظام نے انہیں سب کچھ دکھادیا تھااس لیے کہ محدود مذہبی سوچ سے ان کا واسطہ کمزور ہوا اور وسعتوں والی لامحدود فکر کی طرف وہ عالم یقین ومحبت میں بڑھے۔باشعور خمار نے ان کی فکر کو متعصبانہ نشے سے آزادی دلادی۔

ایسا ہونا فطری تقاضا تھااس لیے کہ دستور کائنات کا مطالعہ کریں تو واضح ہوتا ہے کہ ہر چیز ایک خاص ترتیب کے ساتھ محو سفر ہے اور اپنا راستہ بنانے میں مگن ہے جس طرح پانی ہمیشہ نشیب کی طرف ہی بہتا ہے اور یہی اس کی ترتیب کا حسن بھی ہے بقول شاعر

بہتا ہے ہمیشہ نشیبوں کی طرف ہی　　دریاؤں کا پانی بھی سمجھ دار ہے کتنا

اسی طرح اسلام مکہ سے پھیلنا شروع ہوا تو اس کا رخ عجم کی طرف تھا۔اہل عرب کی سخت گیریوں کو نرم مزاجی میں بدلنے کے بعد اہل عجم کی متعصبانہ سوچ کو حقیقی روایت عطا کرنا ضروری تھی۔یہی وجہ ہے کہ اصحاب صفہ سے ہوتا ہوا یہ دین حق کا سفر کوفہ، دمشق، بغداد، قسطنطنیہ، شیراز واصفہان، غزنی وہرات، لاہور، آستانہ عالیہ سیال شریف اور دلی سے ہوتا ہوا اپنی جامعیت اور اوصاف پاکیزہ لے کر ایک فکری کائنات کو اس انداز میں ترتیب دیا کہ اس کی تشکیلی صورت خانقاہی نظام میں ظاہر ہوئی۔اس فکر کا نمونہ صرف صوفیا یا بزرگان دین تک ہی محدود نہ رہا بلکہ ادب، فکر وفلسفہ، نفسیات، منطق اور شاعری میں بھی اس کے اصول نمایاں ہوئے۔اسی لیے اقبالؒ اہل یورپ کی فکر سے متاثر نہ ہوئے بلکہ وہ حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسماعیلؑ اور اسوۂ حسنہؐ سے روشنی حاصل کرتے ہیں اور اس روشنی کو مزید تقویت انہیں اس خطے کے صوفیا سے اور بزرگان دین سے ملتی ہے۔وہ سینہ تان کر دعویٰ کرتے ہیں

خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوۂ دانش فرنگ　　سرمہ ہے میری آنکھ کا خاک مدینہ و نجف

روشنی کا یہ تسلسل دلی اور لکھنو کے علاوہ، اجمیر شریف، اورنگ آباد، داتا علی ہجویریؒ، لاہور، بہاؤالدین زکریاؒ، ملتان، آستانہ عالیہ سلطان باہوؒ، عبدالطیف بھٹائیؒ، عبدالرحمان بابا، آستانہ عالیہ تونسہ شریف، آستانہ عالیہ گولڑہ شریف، بھیرہ شریف، آستانہ عالیہ سیال شریف (حضور خواجہ غریب نوازؒ) کی صورت میں آج بھی قلوب واذہان کو روشن کرنے میں مستعد کردار ادا کرنے میں محو ہے۔اس خانقاہی نظام تعلیم نے مقامی زبان وادب کے علاوہ اردو زبان وادب کی ترویج میں بھی اعلیٰ کردار ادا کیا ہے جس کی بازگشت آج بھی شعور پختہ کرنے میں مصروف عمل ہے۔

ازمنہ وسطیٰ میں صوفیائے کرام ترک دنیا اور رہبانیت کو اچھا نہیں سمجھتے تھے اور اجتماعی زندگی پر زور دیتے تھے۔ان کا خیال تھا کہ ترک دنیا سے خدمت خلق کا موقع نہیں ملتا اور کچھ نفس میں برتری بھی آجاتی ہے۔اجتماعی زندگی اسلام اور بانی اسلام کے احکام کے عین مطابق تھی۔اسی خیال کے تحت انہوں نے جماعت خانے اور خانقاہوں کی بنیاد ڈالی۔جہاں نہ صرف وہ اپنے مریدوں اور عقیدت مندوں کے ساتھ باقاعدہ عبادت اور ریاضت کی زندگی گزارتے تھے بلکہ وہاں مختلف مزاج اور مختلف رجحانات کے اشخاص ایک ساتھ مل جل کر رہنا سیکھتے تھے اور انہیں تلقین اور عمل سے روحانی اور اخلاقی درس دیا جاتا تھا۔بزرگان دین اپنے اوقات کا کچھ حصہ اسی کام کیلئے مخصوص رکھتے تھے۔جس میں ان کے حلقہ بگوش مجلس کی شکل میں جمع ہو جاتے تھے اور بہت سے علمی، مذہبی اور تصوف کے مسائل کو اپنے مرشد کے سامنے پیش کر کے ان کے ارشادات سے اپنے علم ودانش میں اضافہ کرتے تھے۔

ملفوظات سے مراد بزرگان دین یا روحانی رہنمائوں کی مجلس میں کی جانے والی وہ باتیں یا ارشادات ہیں جن کو کوئی مرید قلمبند کر کے ملفوظات کی شکل میں عوام الناس کے استفادہ کے لیے پیش کرتا اور اسے باعث سعادت مندی سمجھا جاتا تھا۔حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت خواجہ

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.3 2024

شیخ مشرف الدین رحمۃ اللہ علیہ، حضرت احمد یحیی منیری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات اسی زمرے میں آتے ہیں۔

صوفیاء کرام کی روحانی و تربیتی مجالس میں انسانیت کے ہر طبقہ (خواہ مرد ہو یا عورت، بچہ ہو یا بوڑھا) کی روحانی و اخلاقی اصلاح کا اہتمام کیا جاتا تھا۔ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ خانقائی نظام تعلیم میں روایتی مدرسے کی طرح تعلیم نہیں تھی کہ چار پانچ سال کے بچے کو داخل کروادیا جائے بلکہ وہاں پر اکثر جو لوگ داخل ہوتے تھے وہ بالغ لوگ ہی ہوتے تھے لیکن تعلیمی بالغاں کا ایک ایسا خوبصورت نظام تھا جو نہ صرف تطہیر باطن کا کام کرتا بلکہ اصلاح اذہان پر بھی کافی توجہ دی جاتی جس کی وجہ سے معاشرے کو بہترین افراد تیار کر کے دیے جاتے تھے لیکن بنیادی طور پر یہی خلاصہ سمجھ اتا ہے کہ خانقاہوں نے زیادہ تر تزکیہ نفس اور تطہیر باطن پر ایک کام کیا ہے افکار کے حوالے سے انہوں نے دین اسلام کے جو افکار ہیں ان کو اسان کر کے عوام تک پہنچانے کی ضرورت کوشش کی ہے اس کے ساتھ ساتھ لوگوں کی حوصلہ افزائی کی ہے کہ وہ دنیاوی طور پر اعلی تعلیم حاصل کریں اور اس کو دین کے ساتھ ملاتے ہوئے اس دنیاوی تعلیم کو دین کی سربلندی کے لیے استعمال کریں اور مسلمانوں کی ترقی کے لیے استعمال کرو اور انسانوں کی فلاح و بہبود کے لیے استعمال کریں البتہ جو اوائل کی خانقاہیں تھی انہوں نے مدرسوں کا بھی بڑے اچھے اندازے کے انداز کے ساتھ کام کیا لیکن بعد میں انکاؤں میں جس طرح مادیت اگئی تو اج کل بھی کچھ خانقاہیں موجود ہیں جو تصوف تزکیہ باطن کے ساتھ ساتھ علمی انداز کے ساتھ بھی قائم کر رہے کام کر رہے ہیں۔ اب تو بہت ساری خانقاہوں کے ساتھ باقاعدہ چارٹڈ یونیورسٹیاں بھی قائم ہیں جو کام کر رہی ہیں اس میں نقشبندی سلسلے کے بڑے بزرگ ہیں علاؤ الدین صدیقی صاحب رحمت اللہ علیہ تراڑ کھل آزاد کشمیر میں انہوں نے ایک بہترین اسلامک یونیورسٹی جس میں جدید تعلیم بھی دی جاتی ہے اور ساتھ ساتھ ایک میڈیکل کالج بھی قائم کیا ہوا ہے باقی کچھ خانقاہوں نے لا کالجز قائم کیے ہوئے ہیں میں سندھ میں مخدوم امین صاحب کی خانقاہ میں کے ساتھ ہی وہاں پہ کالج موجود ہے جہاں پہ دنیاوی تعلیم دی جاتی ہے۔ نقشبندی سلسلے کے عظیم بزرگ اور ان کے سجادہ نشین صاحبزادہ ڈاکٹر ساجد رحمان نے اپنی خانقاہ استانہ عالیہ بگار شریف کہوٹا کے ساتھ ہی ایک لا کالج بھی قائم کیا ہوا ہے اور دنیاوی تعلیم کے لیے ایک ڈگری کالج کا قیام بھی عمل میں لایا ہوا ہے اسی خانقاہیں ساتھ ساتھ اس طرف کام کر رہی ہیں لیکن یہ کام بہت زیادہ ہے وسط کے ساتھ کرنے کی ضرورت ہے اللہ تبارک و تعالی سے دعا کرتے ہیں کہ اللہ تبارک و تعالی ہماری قوم کو اسلام کی ابتدائی تاریخ کے مطابق تطہیر باطن کے ساتھ ساتھ اظہان کی اصلاح کا کام بھی خوبصورت انداز کے ساتھ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔